© rasailojaraid.com

اسلام اور جمہوریت: ایک تصادم؟

پروفیسر ولیم زارٹ مین کے ساتھ ایک مکالمہ

اخذ و تلخیص : مسلم سجاد

"اسلام اور جمہوریت" کے اہم مسئلے پر ہم اس سے قبل دو تحریریں (۱- مغرب کے خلاف مسلمانوں کا غیظ و غضب ' ستمبر ۹۴ ' ۲- اسلام اور مغرب ' اکتوبر ۹۴) شائع کر چکے ہیں ' جو مغرب کے نقطہ نظر کی ترجمان تھیں - آج ہم جان ہاپ کنس یونی ورسٹی کے پروفیسر زارٹ مین کی ایک تحریر کی تلخیص ' ایک مکالمہ کی صورت میں شائع کر رہے ہیں ' تاکہ قارئین کے سامنے ہمارے نزدیک جو اسلام کا نقطہ نظر ہے وہ بھی ساتھ ساتھ آتا جائے -

مغرب ' جمہوریت کو انسانی تاریخ میں اپنا کارنامہ قرار دیتا ہے ' اور دنیا بھر میں اس کے فروغ کا علم بردار ہے ' لیکن مسلم ممالک کے لیے نہیں - اس لیے کہ بظاہر انھیں بڑی تشویش ہے کہ اگر یہاں احیائے اسلام کی قوتیں ' جمہوری ذرائع سے سہی ' ایک دفعہ برسراقتدار آگئیں تو پھر وہ کبھی اقتدار نہیں چھوڑیں گی اور جمہوریت کے بجائے آمریت کی راہ پر چلیں گی - عملی صورت حال یہ ہے کہ تقریباً نصف صدی سے برسراقتدار ' ان کی جانشین ' سیکولر "جمہوری" پارٹیاں بد ترین آمریت اور استبداد کی راہ پر گامزن ہیں ' اور ان پارٹیوں کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں جن کے حق میں اکثریت کا ہونا متفق علیہ ہے - مگر مغرب کے حکمران ' نہایت ڈھٹائی سے ان نااہل ' کرپٹ ' عوام کی حمایت سے محروم اور کسی غیر جانبدار انتخاب میں یقینی شکست سے دوچار حکمرانوں کو مسلط رکھنے میں انھیں ہر طرح کی حمایت فراہم کر رہے ہیں ' اور ان کے دانش ور اس دوغلی منافقانہ روش کے لیے سند جواز فراہم کر رہے ہیں - یوں وہ جمہوریت سے اپنی "وفاداری" ثابت کر رہے ہیں - الجیریا اس کی ایک کھلی مثال ہے - اس پس منظر میں یہ تحریر بڑی دلچسپ نظر آتی ہے - (مدیر)

زارٹ مین: آج دنیا کا بڑا حصہ دو تاریخی سیاسی دھاروں کے درمیان کشمکش کا شکار ہے ' ایک جمہوریت کا اور دوسرا سیاسی اسلام کا - مکمل فتح کسی کی بھی نہیں ہوگی ' مگر اس کشمکش کا نتیجہ لوگوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے' اور باقی دنیا کے لیے بھی 'بہت دور رس ثابت ہو گا۔

مدیر: یہ صورت حال کی صحیح تعبیر نہیں۔ معرکہ ہے 'مگر سیاسی اسلام اور جمہوریت کے درمیان نہیں دو تہذیبوں کے درمیان ہے: ایک خدا پرست تہذیب' جو ساری انسانی زندگی کی تشکیل' بہ شمول سیاست کے' وحی الٰہی کے مطابق کرنا چاہتی ہے' دوسری بے خدا تہذیب جو اجتماعی زندگی سے خدا اور اس کی ہدایت کو بے دخل کر چکی ہے۔ سیاسی اسلام ایک غلط اور من گھڑت اصطلاح ہے' اس لیے کہ بغیر سیاست کے اسلام' اسلام نہیں۔ اور جمہوریت تو' اس معرکے میں بحیثیت ایک فریق کے' ایک بالکل بے معنی اصطلاح ہے' اس لیے کہ جمہوریت کی اتنی ہی تعریفیں اور شکلیں ہیں جتنے اس کے دعوے دار ہیں۔ امریکہ کو بھی جمہوریت کا دعویٰ ہے' روس کو بھی تھا' جہاں ایک پارٹی کی حکومت تھی' اور پاکستان تو اسلامی جمہوریہ ہے ہی۔

ز: صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف جمہوریت کا نعرہ مقبول ہو گیا ہے' دوسری طرف لادینی سوشلزم اور تجدد modernization میں ناکامی کے ردعمل میں اسلام کا احیا اور اس کی سیاسی جدوجہد سامنے آگئی ہے۔

م: مغرب کا ہر تجزیہ نگار اس شدید غلط فہمی کا شکار ہے کہ احیاے اسلام کی تحریک معاشی' سیاسی اور تمدنی ناکامیوں کا ردعمل ہے۔ بدقسمتی سے وہ ہر وقوعے کی توجیہ صرف انھی مادی پیمانوں سے کرنا جانتا ہے۔ پھر جب انقلاب ایران جیسا واقعہ ہو جاتا ہے' تو حیران و ششدر رکھڑا رہ جاتا ہے۔ ورنہ اس تحریک کی جڑیں تو بڑی گہری' مسلمان کے قلب و روح اور دین و ایمان میں اتری ہوئی ہیں' اور ایک تاریخی تسلسل کے ساتھ' کامیاب اور خوش حال مسلمان حکمرانوں اور معاشروں میں اسلام سے انحراف کی اصلاح کے لیے برپا ہوتی رہی ہیں۔

ز: جب تقویٰ کو سیاسی نظام کی بنیاد بنایا جائے تو یہ امور مملکت اور بین الاقوامی تعلقات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے باوجود سعودی عرب اور پاکستان جیسے اسلامی مملکت کہلانے والے ملک مغرب سے تعاون کی راہ پر چل رہے ہیں' جبکہ ایران اور سوڈان مغرب سے تصادم کی راہ پر ہیں۔

م: اسی بات سے ظاہر ہے کہ معرکہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان نہیں ہے۔ پاکستان' اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرنے کے باوجود ایک جمہوریہ ہے' سعودی عرب ایک بادشاہت ہے' دونوں مغرب کے دوست ہی نہیں تابعدار ہیں۔

ز: درحقیقت فلسفے اور عمل کے لحاظ سے مغربی جمہوریت اور سیاسی اسلام دو جداجدا نظام ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں کسی جمہوریت پسند کا کیا مقام ہے اور ایک جمہوری ریاست میں کسی اسلام پسند کا کیا مقام ہے؟ ایک اسلامی ریاست کتنی جمہوری ہو سکتی ہے اور ایک جمہوری ریاست کتنی اسلامی ہو سکتی ہے؟ یہ سوالات مسلم ممالک ہی میں نہیں' فرانس' انگلینڈ' انڈیا' رشین فیڈریشن اور امریکہ میں زیر بحث ہیں' اور حقیقی اور اہم ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

م: فلسفے کے لحاظ سے مغربی جمہوریت اور اسلام یقیناً دو مختلف بلکہ متصادم نظام ہیں۔ اس لیے کہ ایک عوام کی' اور دوسرا خالق کائنات کی مطلق حاکمیت پر قائم ہے۔ لیکن 'حاکمیت الٰہی کی حدود میں' امور اجتماعی' بشمول امور ریاست' کے چلانے کے لیے جمہوری عمل عین اسلام کے مطابق ہے۔ اسلام اور جمہوریت کا مسئلہ انھی کے ہاں شدت سے زیر بحث ہے جنھیں جمہوریت کے نتیجے میں اسلامی پارٹیوں کے برسر اقتدار آنے اور مغرب کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ علما اور علم برداران اسلام کے درمیان جمہوری عمل کی تفصیلات پر اختلافات ہو سکتے ہیں' لیکن جمہوری عمل کے بارے میں کوئی بحث نہیں۔

ز: مسلمانوں کے سامنے دو طرح کے ماڈل رہے ہیں۔ ایک 'وحی کی بنیاد پر زمین پر خدا کی سلطنت قائم کرنا' اور دوسرا' معاشرے میں مادی اقتدار کی بنیاد پر کامیابی اور خوشحالی لانا۔ دونوں کے درمیان کشمکش سے ایک جدلیاتی عمل وجود میں آتا ہے۔ اس عمل میں احیائے اسلام کا عنصر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ مگر اس سے گو نہ جدلیاتی عمل میں نہ کسی کی فتح ہوتی ہے نہ شکست' بلکہ دونوں نمونوں کے عناصر کے مجموعے سے ایک نیا نظام وجود میں آتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔

م: افسوس ہے کہ آپ یہی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اسلام میں وحی کی بنیاد پر حکومت الٰہیہ اور مادی طور پر کامیاب اور خوش حال معاشرے کے درمیان سرے سے کوئی تصادم ہی نہیں کہ کسی جدلیاتی عمل کا سوال پیدا ہو۔ حکومت' تجارت' صنعت' علم' جنسی تعلق' تفریح' جنسی مذاق' ہر چیز ایک نیکی ہے جب تک وہ حدود الٰہی سے متجاوز نہ ہو۔ دنیاکی زندگی' حکم الٰہی کے مطابق' بہتر سے بہتر بنانے ہی سے آخرت کا مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ چرچ اور اسٹیٹ کی تفریق آپ کے سیکولرازم کی پیداوار ہے' اس پیمانے پر اسلام کو نہ ناپیے۔

ز: مغربی استعمار کی آمد سے مسلمانوں کے درمیان ایک نیا عنصر داخل ہوا۔ دوسری جنگ کے بعد قومیت اور اسلام کی قوت' نو آبادیاتی حکومت کے خلاف مجتمع ہو کر کھڑی ہو گئی' قومی اور جدید اصولوں پر مبنی ریاست قائم کرنے کے لیے آزادی حاصل کی گئی' اور قیادت ان کے حصے میں آئی جو حاکموں سے ان کی زبان میں بات کر سکتے تھے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ معاشرے بھی تنقید کی زد میں آ گئے۔ بورقیبہ' سادات اور رضا پہلوی جیسے لادینی' مغرب سے وابستہ' مادیت پسند حکمران' اپنے ملکوں میں کرپشن' اخلاقی بحران' قومی ورثہ سے غفلت' اور ترقی کے نام پر معاشرے میں اکھاڑ پچھاڑ کے موجب بنے' اور عوام کو وہ مادی فوائد بھی نہیں ملے جن کے دعوے کیے جاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے کی بنیادیں ہل گئی ہیں اور غربت اتنی عام ہو گئی ہے جتنی پہلے نہ تھی۔ جدیدیت اور اقتدار کے اس ناکام ملغوبے کے خلاف ردعمل اور محاذ آرائی کی زبان' اسلام کی زبان ہے' جو احیائے اسلام کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے۔

م: احیائے اسلام ایک ردعمل نہیں' اپنی جگہ ایک مسلسل تاریخی عمل ہے' یہ ہم واضح کر چکے ہیں۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انکار نہیں کہ ایک مرکب و مخلوط تہذیبی صورت حال میں کئی تاریخی اور مادی محرکات اور عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب کا رخ اسلام کی طرف اس لیے پھرتا ہے کہ احیائے اسلام کا محرک ہی عوام کی تاریخ، نفسیات، روایات اور عقیدہ و ایمان میں اپنی مستقل جڑیں رکھتا ہے۔

ز: یہ ردعمل اور محاذ آرائی کوئی اتفاق نہیں، اور نہ روز افزوں احیائے اسلام کوئی حادثہ ہے۔ جب بھی جاری نظام مشکلات کا شکار ہوتا ہے، لوگ صرف اخروی نجات کے لیے نہیں، بلکہ اس دنیا کی زندگی کو بہتر کرنے کے لیے بھی مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب لوگوں کو نوآبادیاتی دور کی سوشل سروسز بھی نہ فراہم ہو رہی ہوں تو وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے احکامات پر عمل نہ کر کے اور اجنبی ماڈل اختیار کر کے وہ اس سزا کے مستحق ہو گئے ہیں۔ نجات اس میں ہے کہ خدا کے نازل کردہ سیدھے راستے پر چلیں۔

م: جب مغرب نے خدا کو کائنات میں تدبیر کے عمل سے اور حیات اجتماعی سے خارج کر دیا، خواہ وہ ایک ذاتی معبود کے طور پر موجود ہو، تو ہر کائناتی اور اجتماعی مظہر (phenomenon) کی توجیہ کے لیے اس کے پاس صرف مادی پیمانہ رہ گیا۔ لیکن اخلاقی پیمانے سے تو کسی کو بھی مفر نہیں۔ مقصد اور سمت کے فقدان، ڈسپلن اور اخلاقی اقدار کے زوال سے معاشرہ انتشار کا شکار ہو سکتا ہے تو حکم الہی کی خلاف ورزی سے قومی زوال اور پستی کی توجیہ کیوں نہیں ہو سکتی؟

ز: احیائے اسلام کا موجودہ مذہبی یوٹوپیا (مثالی معاشرہ) ملازمتیں فراہم کرنے اور مستعد اور دیانت دار حکومت کا اس بنیاد پر یقین دلاتا ہے کہ اس کا معاشی پروگرام قرآن میں ہے۔ اسی لیے اسے لازماً کامیاب ہونا ہے۔ اگر نہ ہو تو اس کی بھی توجیہ موجود ہے۔ وجہ پروگرام کی خامی نہیں، بلکہ برائی کی ناپاک قوتوں کی طرف سے مزاحمت ہے۔ احیائے اسلام حالیہ نظام سے امتزاج نہیں، بلکہ مکمل فتح چاہتا ہے۔

م: امتزاج کا مطلب اگر واضح ہدایات الہی کو ترک کر دینا ہے، تو یقیناً اس کی کوئی گنجایش نہیں۔ لیکن اگر امتزاج کا مطالعہ رائج نظام و تہذیب کے ان مباح اور معروف پہلوؤں کو باقی رکھنا ہے جو مفید ہوں، یا اجتہادی امور میں زمان و مکان کے لحاظ سے مطلوب تغیرات کے بارے میں غور کرنا ہے، تو امتزاج ضرور ہو گا۔ غلط فہمی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ "پروگرام قرآن میں ہے"، کو یا تو سمجھا نہیں جاتا، یا اس کو دوسروں کو کنفیوز کرنے کے لیے غلط معانی پہنائے جاتے ہیں۔ پروگرام کا مطلب تمام تفصیلات نہیں، بلکہ بنیادی اصول ہیں، اور واضح احکام ہیں۔ یہ پروگرام ناکام ہو تو قرآن کی رو سے، دوسروں پر الزام رکھنے کے بجائے صحیح روش اپنا جائزہ احتساب اور اصلاح ہے، جس کا جامع عنوان استغفار ہے۔ قرآن نے استغفار پر مادی خوش حالی کا وعدہ منحصر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ز: جمہوریت ایک طرف، ایک طریق کار ہے، حکمران منتخب کرنے کا۔ دوسری طرف یہ صرف ایک طریق کار نہیں، ایک طرز حکومت بھی ہے جسے صرف ایسے جمہوری لوگ چلا سکتے ہیں جو بار بار انتخاب کا موقع دینے، اور ہارنے پر حکومت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔ خواندگی اور شہرکاری کے ساتھ، اس اصول کی پابندی جمہوریت کی کامیابی کے لیے لازمی ہے۔ لیکن جمہوریت کے تجربے کے بغیر اسے سیکھنا بھی ممکن نہیں۔ اس مشکل کا کیا حل ہو؟ یہ مشکل حل کرنے کے لیے، نو آبادیاتی استعمار نے اپنی رعایا کو تین طریقوں سے جمہوری تربیت دی۔ ایک، انھیں اپنے طرز حکومت کے معیارات و مقاصد بتائے۔ جیسے آزادی اور مساوات اور پارلیمانی جمہوریت۔ دوسرے، اپنا نمونہ دکھایا۔ تیسرے، آزادی کے لیے ان سے عوامی جمہوری تحریکیں شروع کروائیں۔ لیکن اس استعمار کی تربیت یافتہ یہ قومی تحریکیں صحیح معنوں میں جمہوریت کو بر سر عمل نہ لا سکیں۔ انھیں اختلاف رائے اور بحث و مباحثے کی برداشت نہ تھی۔ انتخابات بار بار نہ ہونے سے جمہوریت صرف کاغذ پر رہ گئی۔

م: کیا خوب جمہوریت کی تربیت دی، جمہوریت کے پرستار مغرب نے اپنے جانشینوں کو جنھیں اس نے اپنے بعد اقتدار سنبھالنے کے لیے تیار کیا! خوف ناک ہوا تو اس خطرے کو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے کہ کوئی اسلامی پارٹی ایک بار انتخابات میں جیت گئی تو دوبارہ انتخاب کا موقع ہی نہ دے گی، دے گی تو اس میں صرف اسلام کو تسلیم کرنے والے حصہ لے سکیں گے۔ لیکن مغرب کے ان شاگردوں نے --- جیسے مصطفیٰ کمال، جمال عبدالناصر، صدام حسین، حافظ اسد، حسنی مبارک، سوہارتو وغیرہ --- تو نصف صدی سے بد ترین آمریتیں قائم کر رکھی ہیں: نہ اظہار رائے کا حق ہے، نہ اختلاف کا، نہ جماعت سازی کا، نہ پریس آزاد ہے، نہ آزادانہ انتخابات ہوتے ہیں جن میں حکمران پارٹی کے علاوہ کوئی جیت سکے، بنیادی حقوق کا نام و نشان نہیں، اپوزیشن کو ہر طرح کچل دیا جاتا ہے، جیلیں بھری ہوئی ہیں، بد ترین عقوبتیں دی جاتی ہیں، مخالفین پھانسی کے تختوں پر لٹکائے جا رہے ہیں، زبانوں پر تالے ہیں، اختلاف کے جرم میں پوری بستیاں منا دی جاتی ہیں۔ "جمہوریت صرف کاغذ پر رہ گئی ہے" کا ہلکا سا اعتراف تو بدتر از گناہ ہے۔ غالباً مغرب کو اپنی تربیت سے یہی آمریت مطلوب تھی، تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی گردنوں پر اس کا اقتدار مسلط رہے۔

ز: اب آزادی کے نصف صدی کے بعد، خصوصاً کمیونزم کے زوال کے نتیجے میں، جمہوریت کی تازہ لہر آئی ہے۔ لیکن مسلمان ملکوں میں اس کا خاص اثر اور مفہوم ہے۔ اس لیے کہ یہاں ساتھ ساتھ اسلام کے احیا کی لہر بھی اٹھ رہی ہے۔ اس وقت جمہوریت کی اہمیت اور اثر دو پہلوؤں سے اور زیادہ ہے۔ ایک طرف، ریاست کے وظائف میں، اور نتیجتاً اس کی طاقت میں، ماضی کے مقابلے میں غیر معمولی اضافہ ہو چکا ہے۔ مسلم ممالک میں ملازمت، تعلیم، علاج اور دیگر سماجی ضروریات زیادہ تر ریاست کے قبضے میں ہیں، قوانین کی بھرمار ریاست کو ہر شہری کی روز مرہ زندگی میں دخیل کر دیتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح حکومت لوگوں کی زندگیاں کنٹرول کرنے کے لیے بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ صرف جمہوری قوتوں ہی کے لیے نہیں ' دوسری قوتوں کے لیے بھی۔ دوسری طرف ریاستی اقتدار ' عوام سے دور چند افراد کی شکار گاہ بن گیا ہے۔[۲] اس کے نتیجے میں عوام میں حکمرانوں کے خلاف عدم اعتماد ' بے چینی اور بغاوت پیدا ہو رہی ہے جو ۸۰ کے عشرے میں نمایاں رہی۔ ۱۹۸۱ اور ۱۹۸۴ میں کاسابلانکا میں ' ۱۹۸۸ میں سارے الجیریا میں ' ۱۹۸۴ میں تیونس میں ' ۱۹۸۶ میں قاہرہ اور مصر کے دوسرے شہروں میں ' ۱۹۸۹ میں عمان میں ' ۱۹۸۶ میں مسجد الحرام ' مکہ میں اور ۱۹۷۹ میں انقلاب ایران میں ' سارے ہنگامے مسلم ممالک کے حکمرانوں کے خلاف عوامی غیظ و غضب کا اظہار تھے۔ ایک طرف یہ ناکام اور جابر حکمران ' دوسری طرف جمہوریت کی لہر ' ایک دھماکہ خیز صورت حال بن گئی ہے۔ یہ جمہوریت کی بقا کے لیے خطرناک ہے کہ اسے ایک صحت مند طریق کار کے بجائے ان نتائج کی ضمانت تصور کیا جا رہا ہے جو موجودہ حکمران پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ چنانچہ جمہوریت کی اس لہر کو استعمال کرنے کے لیے سب سے طاقت ور قوت سیاسی اسلام بن گیا ہے ' جو کلام الٰہی کی راہ نمائی اور ضمانت پر اخلاقیات کی بحالی ' دنیاوی ترقی اور بدعنوانیوں سے نجات کا یقین دلاتا ہے۔ اس طرح جمہوریت کا حلیہ بگاڑ دینے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

م: اسلامسٹ آخر کس ''جمہوریت'' کا حلیہ بگاڑ دیں گے؟ اس کا جو مغرب کی کتابوں میں بستی ہے ' یا اس کا جو مصر ' تیونس ' شام ' سعودی عرب ' انڈونیشیا وغیرہ میں قائم ہے؟ اب اس میں مزید بگاڑنے کی کیا گنجائش ہے۔ اسلامسٹ آ جائیں تو کچھ بہتری ہی پیدا کریں گے ' ہاں مغربی مفادات اور تسلط کا حلیہ ضرور بگڑ سکتا ہے۔

ز: ویسے تو اسلام اور جمہوریت میں کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے۔ قرآن میں کسی خاص طرز حکومت کو سند نہیں دی گئی ہے ' نہ جمہوریت کی واضح حمایت کی گئی ہے۔ اس کے مفہوم سے قریب ترین آیت اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ ہے۔ قرآن کا زور حکمرانوں کی اخلاقی صفات پر ہے ' ان کے طریق انتخاب پر نہیں۔ تضاد اس وقت ابھر کر سامنے آتا ہے جب یہ سیاسی اسلام ' جمہوریت کی اصل اساس ۔ کھلی بحث اور کسی بھی حل کو قبول کرنے کی آزادی کو ختم کر دیتا ہے ' اور صرف حق کے ماننے والوں ہی کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے۔ جب کوئی پارٹی مذہب کو اس طرح اختیار کرے کہ اس کی علامات پر اپنی اجارہ داری قائم کر لے اور مخالفین کی قانونی حیثیت ختم کر دے ' تو کھلی بحث اور مستقبل میں آزاد انتخابات کی ضمانت دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

م: جمہوریت کے فلسفے اور عوامی حاکمیت کو ایک طرف رکھیے ' شوریٰ کے بارے میں نص قرآنی کہ مسلمانوں کے اجتماعی امور ان کی مرضی اور رائے سے طے کیے جائیں یہ بتانے کے لیے بالکل کافی ہے کہ جمہوریت بطور طریق کار کے ' اور بطور طرز حکومت کے ' اسلام میں مطلوب اور مامور ہے۔ رائے کیسے لی جائے '

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمہوری نظام کی تفصیلات کیا ہوں' یہ چیزیں مسلمان اپنے حالات کے لحاظ سے اپنی رائے سے طے کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ کیا قرآن ۱۴ سو سال پہلے 'ڈیماکریسی اور پارلیمانی حکومت کا نام لے کر ان کی واضح حمایت کرتا؟ مشکل یہی ہے کہ مغرب قرآن کے اس اسلوب ہدایت کو سمجھنا نہیں چاہتا کہ اصول طے کر دیے جائیں' تفصیلات اجتہاد پر چھوڑ دی جائیں۔ جو کتاب ہدایت ہے' ۱۴ سو سال پہلے کے لیے بھی اور ۱۴ سو سال بعد کے لیے بھی' بدوی معاشرے کے لیے بھی اور شہری معاشرے کے لیے بھی' اس کے لیے یہی اسلوب ہدایت ہونا چاہیے تھا۔

۱۴ سو سال سے اس آیت کا یہی مطلب سمجھا گیا ہے کہ جائز حکمران وہی ہے جسے رائے عامہ کی تائید حاصل ہو' بزور بیعت لینے والوں کو کبھی جائز حکمران تسلیم نہیں کیا گیا۔ اسلامی دستور کے بنیادی اصولوں پر پاکستان کے علما کے اجماع میں یہ بات شامل ہے کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادانہ انتخابات کے ذریعے حکمران منتخب ہوں گے۔ دو سب سے بڑی اسلامی تحریکیں' جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین بھی اسی موقف کی علم بردار ہیں۔

ز: اسلامی پارٹیاں اور حکومتیں اپنے ارادوں کے بارے میں صاف بات کرتی ہیں' مگر الجیریا کے اسلامی فرنٹ کی طرح مغربی پریس کے سامنے تو جمہوری ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں' لیکن مقامی جلسوں میں اعلان کرتی ہیں کہ "جمہوریت" کفر ہے اور اسلام کو ماننے والے ہی انتخابات میں حصہ لے سکیں گے۔ یہ دونوں موقف جمہوریت کے خلاف ہیں۔

م: اسلامسٹ کوئی دورخی بات نہیں کرتے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت کے قائل ہیں تو ان کی مراد ہوتی ہے اس کا طریق کار اور طرز حکومت۔ جب وہ کہتے ہیں کہ "جمہوریت کفر ہے" تو ان کی مراد ہوتی ہے وہ مغربی جمہوریت جو خدا کو خارج کر کے رائے انسانی کی حاکمیت پر قائم ہے۔ کسی بھی نظام میں وہی لوگ انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں جو اس نظام کو قبول کریں۔ جو امریکن دستور کو قبول نہ کرے وہ امریکہ میں انتخابات میں کیسے حصہ لے سکتا ہے؟

ز: کھلی بحث کے مسئلے پر اسلام اور جمہوریت کا موقف یکساں ہے' لیکن ایک لحاظ سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں کا موقف ہے کہ بحث کے نتیجے میں حق کا غلبہ ہو گا' لیکن جمہوریت پسند کے نزدیک یہ غلبہ آزادانہ بحث اور فیصلے کے اصول کا غلبہ ہے' جبکہ اسلامسٹ کے نزدیک الہامی حق کا۔

م: آزادانہ بحث اور فیصلوں پر "حق" کو غلبہ ہونا چاہیے' یہ اصول تو مغربی جمہوریت میں بھی اسی طرح مسلم ہے جس طرح اسلام میں۔ اختلاف اس پر ہے کہ وہ حق کیا ہو۔ امریکہ میں کمیونسٹ پارٹی غیر قانونی ہے اور اسے بحث و انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت نہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ تشدد سے تبدیلی اقتدار پر یقین رکھتی ہے' یعنی اس "حق" کی مخالف ہے جس پر امریکی نظام قائم ہے۔ اگر عوامی نمایندے کوئی ایسا قانون پاس کر دیں جو امریکی دستور کے خلاف ہو' تو وہ مسترد کر دیا جاتا ہے۔ گویا "دستور" ایک ایسا "حق" ہے جسے عوامی فیصلے پر غلبہ حاصل ہے' اور حق کی تعبیر کا یہ اختیار صرف ۱۲ افراد کی سپریم کورٹ کو حاصل ہے۔ گو اینگلو سیکسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون کے ماہرین عوام کے فیصلے کو مسترد کریں تو عین جمہوریت ہے' اسلامی فقہ کے ماہرین کریں تو ملا کی آمریت ہے۔ لیکن ہم تو وحی کی تعبیر کا آخری حق بھی کسی ملا کو نہیں دیتے' عوام ہی کو دیتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ عوام دستور کو بدل سکتے ہیں' جبکہ قرآن کو نہیں بدلا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن اول تو ترمیم دستور کا عمل اتنا مشکل ہے کہ ترمیم محال ہے۔ دوسرے' اب ہندستان کی سپریم کورٹ یہ طے کرچکی ہے کہ اگر دستور میں باقاعدہ ترمیم کر بھی دی جائے' لیکن وہ دستور کی روح اور بنیاد سے متصادم ہو تو ایسی ترمیم دستور بھی خلاف دستور ہے۔ لیجیے اب "حق" دستور سے ماورا ہو گیا۔ سوال ہے کہ کیا دستور میں ترمیم کر کے بنیادی حق واپس لیے جاسکتے ہیں؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک اصول انسانی ہوں تو ان کا غلبہ صحیح ہے' الہامی ہوں تو صحیح نہیں۔ گویا انسان خود تو "خدا" ہو سکتا ہے' خدا' خدا نہیں ہو سکتا۔

ز: زیادہ بڑی پیچیدگی یہ ہے کہ اسلامی پارٹی میں ایک نظر آنے والا معتدل گروہ ہوتا ہے اور ایک زیر زمین انتہا پسند گروہ۔ معتدل گروہ کو کنٹرول میں رکھا جاتا ہے اور جب یہ جمہوری ذرائع سے اقتدار حاصل کر کے اپنا کام پورا کر لیتا ہے تو انتہا پسند گروہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ جمہوریت اور اسلام کے درمیان تطابق کا مسئلہ صرف "بیانات" کی بنیاد پر نہیں بلکہ ممکنہ سیاسی عمل کی نوعیت کی بنیاد پر کیا جانا چاہیے۔ اہم سوال یہ ہے کہ خواہ دونوں کے' درمیان تصادم جاری رہے' کیا کیا جاسکتا ہے کہ سیاسی اسلام کے باوجود جمہوریت کو تباہ ہونے سے بچا کر محفوظ رکھا جائے۔

م: ان زیر زمین انتہاپسند گروہوں کا "علم" صرف آپ کے پاس ہے' بالعموم ان کا وجود کہیں نہیں پایا جاتا۔ اگر ایک انتہائی آمرانہ نظام میں تبدیلی جمہوری ذریعے سے آئے' مگر اسلامسٹ پارٹی کے جیتنے کا امکان بھی ہو' تو پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ "جمہوریت" کو تباہی سے بچانے کے لیے (جو ابھی خواب و خیال میں ہے) آپ کتنے غیر جمہوری بننے کے لیے تیار ہیں۔

ز: ایک دستوری طریقہ جو اکثر مسلمان ملکوں نے اختیار کیا ہے' یہ ہے کہ اسلام کو ریاست کا مذہب بنایا جائے لیکن اسلامی پارٹیوں کو غیر قانونی رکھا جائے تاکہ وہ انتخاب میں حصہ نہ لے سکیں۔

م: آپ اس کے لیے بھی تیار ہیں کہ اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیا جائے' اسلام کا استحصال کیا جائے' اور آزادانہ انتخاب میں' جن کی بقا کے لیے آپ مضطرب ہیں' ناپسندیدہ اسلامی پارٹیوں کو حق اجتماع اور حق اظہار رائے سے محروم کر کے' انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا جائے۔

ز: دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک بھروسے کے قابل حزب اختلاف قائم کی جائے۔ آج کل ایک بدعنوان آمرانہ حکومت اور اسلامی حزب اختلاف کے درمیان تصادم ہو تو مصیبت یہ ہے کہ متبادل قوت موجود نہیں۔ الجیریا میں ۱۹۹۰' ۱۹۹۱' ۱۹۹۲ میں جو ہوا اسے اسلامک فرنٹ کی فتح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہوا یہ کہ بر سر اقتدار پارٹی پر عدم اعتماد کے بعد کوئی دوسری ایسی پارٹی میدان میں نہیں رہ سکی جو ووٹ حاصل کر سکتی' نتیجہ یہ کہ فرنٹ کے سارے ووٹ جمع کر لیں تو بھی ڈالے ہوئے ووٹوں کا ۲۰ فی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صد اور کل ووٹوں کا ۲۵ فی صد ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایسی پارٹی تھی ہی نہیں جو ووٹوں کی اکثریت کو باہر نکال سکتی یا قوم کی اکثریت کا اعتماد حاصل کر لیتی۔ اس کے مقابلے میں مصر اور تیونس میں بدعنوان حکومتوں کی مضبوط سرکاری پارٹیوں نے آزادانہ حیثیت سے کھڑے ہونے والے اسلامسٹ امیدواروں کو شکست دے دی۔

م: متبادل حزب اختلاف کی راہ میں اسلامسٹ تو بالکل حائل نہیں آپ شوق سے قائم کریں۔ لیکن جن الفاظ میں آپ نے مصر اور تیونس کے واحد جماعتی 'جابرانہ انتخابات میں' جن میں اسلامی پارٹیوں کو حصہ لینے کی اجازت ہی نہیں، نام نہاد آزاد اسلامی امیدواروں کی شکست پر داد تحسین دی ہے اس کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ 'اس سادہ لوحی پر کون نہ مرجائے اے خدا۔

آپ نے الجیریا میں اسلامی فرنٹ کی جیت کو جیت تسلیم نہ کرنے کے لیے بھی خوب دلیل دی۔ اب آپ کو ڈالے ہوئے ووٹوں کا اور کل ووٹوں کا فی صد یاد آیا۔ ذرا پاکستان' امریکہ' برطانیہ کے نتائج کو بھی اسی پیمانے سے ناپیے۔

ز: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسے انتخابی قواعد اور طریق کار بنانے چاہییں کہ ایک کثیر الجماعتی نظام وجود میں آئے اور ایک اسلامسٹ پارٹی کے حکومت پر کنٹرول کے امکانات کم سے کم ہو جائیں جیسے متناسب طریق نمایندگی' کسی ایک بڑی پارٹی کے کلی اقتدار کے امکان کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ اور انتخابی قوانین میں دیگر موزوں تبدیلیاں کر کے بھی انتہا پسند پارٹیوں کا کردار محدود کیا جا سکتا ہے۔

چوتھا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک حالات سازگار نہ ہوں جمہوری نظام کو موخر کر دیا جائے۔ خواندگی اور شہر کاری میں اضافے کے ساتھ' آزاد پریس' آزاد عدلیہ' بنیادی حقوق کا احترام جمہوری نظام کی لازمی شرائط ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ شرائط کو پورا کرنا اور پھر انھیں باقی رکھنا' آزادانہ انتخابات کے انعقاد سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔

م: آپ انتخابی قواعد و قوانین میں ہیر پھیر اور گھپلے میں بھی کوئی ہرج نہیں سمجھتے' اگر اس سے اسلامسٹوں کا راستہ رک سکتا ہو۔ متناسب نمایندگی ایک دو دھاری تلوار ہے۔ ممکن ہے اسلامک پارٹی مجرد اکثریت نہ بن سکے لیکن پھر وہ اپنی تھوڑی تعداد سے بھی کنگ میکر بن سکتی ہے۔

ز: پانچواں طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب بھی جمہوری عمل ہو' اسے ہونے دیا جائے اور جسے بھی اکثریت حاصل ہو' خواہ اسلامسٹ ہی کیوں نہ ہوں' اسے حکومت کرنے دی جائے تاکہ وہ عملاً جمہوریت کے آداب سیکھ سکیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ حکومت کی ذمہ داری انتہا پسند گروہ کو بھی معتدل بنا دیتی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ تجربہ ہر جگہ دہرایا جائے۔ دوسرا تشویش ناک تجربہ یہ ہے کہ انقلابیوں کے معتدل ہونے میں ایک نسل لگ جاتی ہے' جیسا کہ ایران کے تجربے سے ظاہر ہے۔ مشکل یہ ہے کہ یہ تجربات سوشل سائنسٹسٹ کے لیے تو دلچسپ ہو سکتے ہیں' لیکن عوام کے لیے مصیبت اور دنیا کے لیے

© rasailojaraid.com

تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اسلام کے اندر جدلیاتی عمل ، ہو یا اسلام اور جمہوریت کے درمیان محاذ آرائی ، کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنا ہوگی۔ اب یہ مسلم ممالک کے عوام کو انتخاب کرنا ہے کہ وہ کس کی کیا قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

م: ہمیں آپ سے اتفاق ہے اور ہماری مغرب سے یہی درخواست ہے کہ آپ مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں ، اور اسلامسٹوں کی متوقع کامیابی کی صورت میں جمہوریت کی تباہی کے موہوم خطرے کے خلاف تحفظ کے نام پر نصف صدی سے قائم آمرانہ ، کرپٹ اور نااہل حکمرانوں کی حمایت اور اسلامسٹوں کا راستہ روکنے کی خونیں کوششیں ترک کر دیں۔ جو قیمت ادا کرنا ہوگی وہ مسلمان کریں گے ، اگر وہ اسلام کے مطابق جینا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا آپ "اسرائیل" اور "تیل کے چشموں" کے تحفظ سے دست بردار ہو سکتے ہیں!

ترجمان ری پرنٹس سروس

۱۔ تحریک اسلامی: کارکنوں کے اوصاف	پروفیسر غلام اعظم	مئی ۹۵	-/۱۳۰ روپے
۲۔ نئی صلیبی جنگ: دینی مدارس کے دروازوں پر	خرم مراد	مئی ۹۵	-/۱۰۰ روپے
۳۔ توہین رسالت کا مقدمہ	خرم مراد	اپریل ۹۵	-/۱۰۰ روپے
۴۔ رب کے در پر	مسلم سجاد	فروری ۹۵	-/۵۰ روپے
۵۔ دہشت گرد کون؟	خرم مراد	جون ۹۵	-/۱۰۰ روپے
۶۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم	مختلف علمائے کرام	جولائی ۹۵	-/۲۵۰ روپے
۷۔ آج کا داعی کل کا قائد	محمد بشیر جمعہ	جون جولائی ۹۵	-/۱۰۰ روپے

() کم سے کم ۱۰۰ ری پرنٹس کا آرڈر لازمی ہے۔ کوئی ایک ری پرنٹ ۲۵ سے کم نہ ہو۔

() ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہے۔ ادائیگی نقد کیجیے یا وی پی طلب کیجیے

منشورات

ترجمان ری پرنٹس سروس

منصورہ لاہور - 54570